شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی خدمات اور مسلکِ اعتدال

پروفیسر عبدالماجد ☆ ڈاکٹر ایاز خان ☆☆

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی خدمات کو درج ذیل عنوانات کے تحت بیان کیا جا سکتا ہے:

(۱) تطبیق بین الفقہ والحدیث
(۲) اجتہاد و تقلید میں نقطۂ اعتدال
(۳) تقلید کی جائز اور فطری شکل اور قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کا طرزِ عمل
(۴) مذاہبِ اربعہ کی خصوصیت اور حق پر ہونا اور ان کی تقلید کے بارے میں شاہ صاحب کی تحقیق
(۵) کیا شاہ ولی اللہ حنفی تھے یا اہلِ حدیث؟
(۶) تحقیقی قول پر عمل کرنے کے متعلق شاہ صاحب کی وصیت
(۷) اختلافی مسائل میں صحابہؓ و تابعینؒ اور ائمہ کا طرزِ عمل

(۱) تطبیق بین الفقہ والحدیث

عرصہ دراز سے عالم اسلام کے بہت سے علمی اور تصنیفی حلقوں میں فقہ و حدیث کے دو متوازی سلسلے چلے آ رہے تھے جن میں سے ہر ایک دوسرے سے بے نیاز ہو کر اپنا سفر طے کر رہا تھا۔ بہت سے فقہی حلقوں اور مسلکوں میں حدیث اس وقت زیر بحث آتی جب کسی مسئلے کی تائید اور مسلک کے اعتراض کو دفع کرنا مقصود ہوتا۔ صحاحِ ستہ کے درس میں ان احادیث کی تاویل کی جاتی جو اپنے مذہب کے خلاف ہیں یا صحاح کی ان کتابوں کی احادیث کو پیش کیا جاتا جو اپنے مذہب کی تائید میں ہیں۔ سارا زور اپنے فقہی مذہب و مسلک کو ثابت کرنے میں لگا دیا جاتا' چاہے اس میں کئی احادیث صحیحہ کی تاویل کرنی پڑتی۔ مذاہبِ فقہیہ کچھ ایسے آہنی سانچوں کی شکل اختیار کر چکے تھے جن کا ٹوٹ جانا تو ممکن تھا' پھیلنا ممکن نہیں تھا (یعنی اُس مذہب کو ترک کر کے دوسرے مذہب کو اختیار کر لینے' جیسے شافعیت سے حنفیت یا حنفیت سے شافعیت' یا عمل بالحدیث کا مسلک اختیار کر لینے کی مثالیں ہر زمانہ میں ملیں گی' لیکن ایک ہی مذہب کے دائرے میں رہ کر بعض مسائل سے جزوی طور پر عدول یا کسی دوسرے فقہی مسلک و مذہب کے مسئلہ کو اختیار کر لینے یا کسی مسئلہ میں حدیث پر عمل کرنے کی مثالیں بہت کم ملیں گی۔ اس لیے کہ بہت سے حضرات کے نزدیک ''تجزی تقلید'' صحیح نہیں۔) ہر مذہب کے پیرو اپنے مذہب کے متعلق یہ خیال قائم کیے ہوئے تھے (اور ہیں) کہ ان کے مذہب کا سو فیصد صحیح ہونا تو اصل حقیقت ہے' باقی بشریت کی بنا پر غلطی کا

☆ گورنمنٹ کالج مانسہرہ ☆☆ ہزارہ یونیورسٹی' مانسہرہ

احتمال ہے۔اس طرزِ فکر کو عربی کے بلیغ انداز میں اس طرح ادا کیا جاسکتا ہے:

مذهبنا صواب يحتمل الخطأ ومذهب غيرنا خطأ يحتمل الصواب

یعنی ہمارا مذہب تو درست اور حق ہے' البتہ اس میں خطا کا احتمال ہے' اور دوسرے کا مذہب فقہی اصلاً خطا اور ناصواب ہے' لیکن اس میں صحت کا احتمال ہے۔

اس طرزِ فکر کا نتیجہ یہ تھا کہ مذاہب اربعہ یعنی مالکی' حنفی' شافعی اور حنبلی کے درمیان خلیج روز بروز بڑھتی چلی جارہی تھی اور اُن پر عمل کرنے والوں کے درمیان اختلاف منافرت تک اور بحث ومباحثہ بعض اوقات مجادلہ اور لڑائی تک پہنچ جاتا تھا۔اس سے زیادہ سخت معاملہ ان اہل علم کے ساتھ ہوتا تھا جو کلی یا جزئی طور پر عبادات میں حدیث پر عمل شروع کردیتے تھے۔(۱)

حضرت شاہ ولی اللہ کے عظیم مجددانہ کارناموں میں ایک بڑا کارنامہ اور خدمتِ حدیث کی اہم کڑی ان کی فقہ وحدیث میں تطبیق اور مذاہبِ اربعہ میں جمع وتالیف کی کوشش تھی۔اس سے اس بشارتِ نبویؐ کی تصدیق ہوتی ہے جس میں کہا گیا تھا کہ:

''تم (یعنی شاہ ولی اللہ) سے خدا اس اُمت کی شیرازہ بندی کے ایک خاص نوع کا کام لے گا۔'' (۲)

شاہ صاحب ۱۱۴۳ھ میں تیس سال کی عمر میں' جب وہ تقریباً بارہ سال ہندوستان میں درس دے چکے تھے' عازمِ حج ہوئے' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی طبیعت میں قدرتی طور پر جو جامعیّت' قلب ونظر میں جو وسعت اور فطرتاً تطبیقی ذوق رکھا تھا' اس کو مزید جلا اور ترقی حجاز کے ایک سال سے زیادہ قیام کے دوران ملی۔حجاز مقدس میں قیام کے دوران آپ کو فقہ شافعی' حنبلی اور مالکی سے براہِ راست باخبر ہونے کا موقع ملا۔خصوصاً فقہ شافعی کے بہت بڑے عالم ومحدث شیخ ابوطاہر کردی مدنی کی وسعت نظر اور باطنی کمالات سے بہت متاثر ہوئے۔اسی طرح مالکی مذہب کے شیخ وفداللہ بن شیخ محمد بن محمد بن سلیمان سے بھی استفادہ کیا اور حنفی عالم شیخ تاج الدین قلعی سے بھی براہِ راست استفادہ کیا۔(۳)

شاہ صاحب خود لکھتے ہیں کہ ''سفرِ حجاز سے قبل ہی انہیں مذاہب اربعہ اور ان کے اصولِ فقہ کی کتابوں کے مطالعہ اور جن احادیث سے وہ استدلال کرتے ہیں' ان پر غور وفکر کرنے کے بعد طبیعت میں فقہائے محدثین کی روش کی پسندیدگی قرار پذیر ہوئی' اُس میں نورِ غیبی کی مدد بھی شامل تھی' اس کے بعد حرمین محترمین کی زیارت کا شوق دامن گیر ہوا۔(٤)

شاہ صاحب نے سفرِ حجاز کے بعد غالی فقہاء (جو اپنے مسلک سے سرِمُو انحراف کے لیے تیار نہیں) اور فرقہ ظاہریہ (جو مطلقاً فقہاء کا منکر اور اُن فقہاء کی شان میں گستاخی کرتے ہیں جو حاملینِ علم کے سرتاج اور دین کے امام و پیشوا ہیں) کی انتہا پسندانہ روش اور طرزِ فکر پر سخت سرزنش کی' اور ان دونوں کے غلو وانتہا پسندی (extremism) کو ناپسند کیا اور واضح الفاظ میں لکھا: ''اِنَّ الْحَقَّ اَمْرٌ بَیْنَ بَیْنَ''(٥) یعنی حق امر ان دونوں کے بین بین (درمیان) ہے' نہ پہلا فریق سو فیصد حق پر ہے اور نہ دوسرا فریق۔

شاہ صاحبؒ نے اپنی مشہور کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں اس پر کافی لمبی بحث کی ہے' ملاحظہ ہو:

''ایک طرف کلام فقہاء پر تخریج' دوسری طرف احادیث کے الفاظ کا تتبع' دونوں کی دین میں مستحکم اصل موجود ہے' اور ہر زمانہ کے علمائے محققین ان دونوں اصولوں پر عمل کرتے رہے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جن کا تخریج کے بارے میں قدم پیچھے اور حدیث کے الفاظ کے تتبع میں قدم آگے ہے' اور بعض اس کے برعکس۔ ان میں سے کسی ایک اصول سے بھی مطلقاً صرفِ نظر مناسب نہیں' جیسا کہ فریقین کے عوام کا شیوہ ہے۔ اس بارے میں صراط مستقیم یہی ہے کہ دونوں کے درمیان تطبیق کی کوشش کی جائے اور ایک کی کمی دوسرے سے پوری کی جائے اور یہی امام حسن بصریؒ کا قول ہے۔'' (۶)

اپنے وصیت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''مسائل فروعی میں ایسے علماء محدثین کی پیروی کرنی چاہیے جو فقہ وحدیث دونوں کے عالم ہوں' مسائل فقہیہ کو کلام اللہ اور حدیثِ رسول اللہ ﷺ سے ملاتے رہنا چاہیے..... اُمت کے لیے قیاسی مسائل کا کلام اللہ اور حدیثِ رسول اللہ ﷺ سے تقابل کرتے رہنا ضروری ہے' اس سے کبھی بھی بے نیازی نہیں ہوسکتی۔'' (۷)

شاہ صاحبؒ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت کے قائل تھے اور ان کی مجتہدانہ بصیرت اور استنباط مسائل کے معترف تھے' لیکن ساتھ ساتھ وہ دوسرے ائمہ کی بالغ نظری اور علومِ دینیہ میں کمال کے تذکرے اپنی کتابوں' مثلاً **الانصاف فی بیان سبب الاختلاف**' **مصفّی**' **الخیر الکثیر**' **عِقد الجِید فی الاختلاف والتقلید** اور **حجۃ اللّٰہ البالغہ** میں مختلف انداز میں کرتے ہیں۔ ایک طرف وہ موطا امام مالک کی حجت اور مقام ومرتبہ کا ذکر کرتے ہیں اور موطا کو حدیث کی اساسی کتابوں میں مانتے ہیں تو دوسری طرف مذہب شافعیؒ کے منقح ومصفّی اور حدیث سے اقرب ہونے کا ذکر کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ان کے وسیع الروایۃ' حدیث سے باخبر اور تفقہ میں عمیق النظر ہونے سے کرتے ہیں۔ (۸)

ان ائمہ اربعہ کے علوِّشان' وسعتِ نظر' دقتِ نظر اور اُمت پر احسان سے براہِ راست واقفیت اور ان تمام سے دلی عقیدت کی بنا پر شاہ ولی اللہ میں وہ جامعیت اور فقہ وحدیث کے تقابلی مطالعہ میں وہ توازن واعتدال پیدا ہوگیا جس کی قدرتاً ان علماء ومصنفین سے توقع نہیں کی جاسکتی' جن کا مطالعہ اور ذہنی وابستگی ایک ہی مذہب فقہی اور اس کے بانی ومؤسس سے تھی' اور اُن کو اُس سے باہر نکلنے کی (بہت سے طبعی وشخصی اسباب کی بنا پر) نوبت نہیں آئی۔

(۲) اجتہاد وتقلید کے درمیان نقطۂ اعتدال

حضرت شاہ صاحبؒ کے تجریدی اور امتیازی خصائص میں سے ایک خصوصیت اُن کا وہ متوازن اور معتدل مسلک اور نقطۂ اعتدال ہے جو انہوں نے اجتہاد وتقلید کے درمیان اختیار کیا۔ ایک طرف وہ لوگ تھے جو ہر مسلمان کو' خواہ عامی ہو یا خاص' براہِ راست کتاب وسنت پر عمل کرنے اور ہر معاملہ میں وہیں سے احکامات حاصل کرنے کا مکلّف قرار دیتے تھے اور تقلید کی حرمت کے قائل تھے۔ اس گروہ میں متقدمین میں علامہ ابن حزمؒ اور موجودہ اہلِ حدیث پیش پیش نظر آتے ہیں' لیکن یہ بالکل غیر عملی بات ہے' اور اس کا ہر مسلمان کو مکلّف قرار دینا

تکلیف مالا یطاق ہے۔

دوسری طرف وہ گروہ تھا جو تقلید کو اسی طرح ہر مسلمان پر واجب قرار دیتا تھا اور اس کے تارک کو سخت فقہی احکام ''فاسق'' اور ''ضال'' سے یاد کرتا تھا' جیسا کہ پہلا گروہ مقلدین اور کسی خاص مذہب فقہ کے متبعین کو (گمراہ کہتا تھا)۔ اس گروہ کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ تقلید عوام کو نفسانیت اور خودرائی سے بچانے' مسلم معاشرے کو انتشار اور انارکی سے محفوظ رکھنے' دینی زندگی میں وحدت و نظم پیدا کرنے اور احکامِ شریعت پر بسہولت عمل کرنے کا موقع فراہم کرتی ہے۔(۹)

شاہ صاحبؒ نے اس بارے میں جو مسلک اختیار کیا اور جو تعبیر پیش کی وہ روحِ شریعت سے قریب تر' قرنِ اوّل کے عمل سے زیادہ ہم آہنگ اور عملی زندگی کے عین مطابق ہے۔ اس سلسلے میں شاہ صاحب چوتھی صدی ہجری سے پہلے کے طرزِ عمل کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ لوگوں کو اپنی دینی زندگی میں' عبادات و معاملات میں جو نئے نئے مسائل و مشکلات پیش آتے تھے' اُن کو وہ کس طرح حل کرتے تھے اور اس سلسلہ میں وہ کیسا راستہ اختیار کرتے تھے۔ حجۃ اللہ البالغہ میں تفصیل سے اس معاملہ پر قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے طرزِ عمل کی روشنی میں بحث کرتے ہیں۔(۱۰)

(۳) تقلید کی جائز اور فطری شکل

شاہ صاحبؒ انتہائی انصاف اور حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے ایسے شخص کو تقلید کے بارے میں معذور سمجھتے ہیں جو کسی مذہبِ فقہی یا معیّن امام کا مقلد تو ضرور ہے' لیکن اس کی نیت محض صاحبِ شریعت کی پیروی اور اتباعِ نبویؐ ہے' لیکن وہ اپنے اندر اس کی اہلیت نہیں پاتا کہ وہ حکم شرعی اور جو چیز کتاب و سنت سے ثابت ہے' اس تک براہِ راست پہنچ جائے۔ اس کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں' مثلاً وہ عامی شخص ہے' اہلِ علم نہیں' یا اس کے پاس براہِ راست تحقیق کرنے کے لیے وقت نہیں' یا ایسے وسائل علم و تحقیق یا صلاحیت حاصل نہیں جس سے وہ نصوص کا خود پتا چلا لے' یا اُس سے مسئلہ استنباط یا اخذ کر سکے۔ شاہ صاحبؒ علامہ ابن حزم کا یہ قول نقل کرنے کے بعد کہ ''تقلید حرام ہے اور کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی کے قول کو بلا دلیل قبول کرے''، تحریر فرماتے ہیں:

> ''ابن حزم کے قول کا مصداق وہ شخص نہیں جو رسول اللہ ﷺ کے قول کے علاوہ کسی کو اپنے لیے واجب الاطاعت نہیں سمجھتا' وہ حلال اس کو گردانتا ہے جس کو اللہ اور اس کے رسولؐ نے حلال کیا اور حرام اُسی کو مانتا ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا' لیکن چونکہ اس کو براہِ راست آنحضرت ﷺ کے اقوال و احوال کا علم حاصل نہیں اور وہ آپؐ کے مختلف اقوال میں تطبیق دینے کی صلاحیت اور آپؐ کے کلام سے مسائل استنباط کرنے کی قدرت نہیں رکھتا' وہ کسی خدا ترس عالم کا دامن پکڑ لیتا ہے یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ صحیح بات کہتا ہے اور اگر مسئلہ بیان کرتا ہے تو اس میں وہ محض سُنّتِ نبویؐ کا پیرو اور ترجمان ہوتا ہے' جیسے ہی اس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا یہ خیال صحیح نہیں تھا' اس وقت وہ بغیر کسی بحث و اصرار کے اس کا دامن چھوڑ دیتا ہے' بھلا ایسے آدمی کو کوئی کیسے مطعون (blame) کرے گا' اور اس کو سنت و شریعت کا مخالف قرار دے گا؟''(۱۱)

شاہ صاحبؒ کے نزدیک فتویٰ لینے میں انسان کی نیت یہ ہوتی ہے کہ وہ شریعت کے مطابق حکم پر عمل کرے'

مقصود اتباعِ شریعت ہوتی ہے' تو ایسی تقلید کیسے ناجائز ہوئی۔ کسی فقیہہ کے بارے میں بقول شاہ صاحب:

''ہمارا یہ ایمان نہیں ہے کہ اللہ نے اُس پر آسمان سے فقہ اتاری ہے اور ہم پر اس کی اطاعت فرض کی ہے' اور یہ کہ وہ معصوم ہے۔ تو اگر ہم نے ان فقہاء اور ائمہ میں سے کسی کی اقتدا کی تو محض اس بنا پر کہ ہم یہ جانتے ہیں کہ وہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کا عالم ہے' اس کا فتویٰ (قول) دو حالتوں میں سے کسی ایک حالت سے خالی نہیں' یا وہ کتاب وسنت کے صریح حکم پر مبنی ہے' یا وہ استنباط کے اصولوں میں سے کسی اصول کے مطابق اس سے مستنبط کیا ہوا ہے' یا اُس نے قرائن سے یہ سمجھ لیا ہے کہ حکم فلاں علّت کے ساتھ وابستہ ہے (اور وہ علّت یہاں پائی جاتی ہے) اور اس کا قلب اس بات پر مطمئن ہو گیا ہے اس بنا پر اس نے غیر منصوص کو منصوص پر قیاس کیا' گویا زبانِ حال سے وہ کہتا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا کہ جہاں یہ علّت پائی جاتی ہے وہاں یہ حکم ہوگا' اور یہ قیاسی مسئلہ اس عموم اور کلیہ میں شامل ہے' اس طرح اس حکم کی نسبت بھی رسول اللہ ﷺ کی طرف کی جا سکتی ہے لیکن ظنی طریقہ پر' اگر صورت حال یہ نہ ہوتی تو کوئی صاحب ایمان کسی مجتہد کی تقلید نہ کرتا۔ اگر ہمیں رسولِ معصوم ﷺ جن کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر فرض کیا ہے' کوئی حدیث قابل وثوق سند سے پہنچے جو اس مجتہد یا امام کے فتوے اور قول کے خلاف ہو' اور ہم اس حدیث کو چھوڑ دیں اور اس ظنی طریقہ کی پیروی کریں' تو ہم سے بڑھ کر ناروا طریقہ اختیار کرنے والا کون ہوگا' اور ہمارا خدا کے سامنے کیا عذر ہوگا؟'' (۱۲)

(۴) مذاہب اربعہ کی خصوصیت

شاہ صاحب چاروں فقہی مذاہب (حنفی' مالکی' شافعی' حنبلی) کے بارے میں انتہائی معتدل نقطۂ نظر کے حامی تھے اور ان چاروں میں سے کسی ایک پر عمل کرنے میں مصلحت قرار دیتے تھے۔ تحریر فرماتے ہیں:

''یاد رکھو کہ ان مذاہبِ اربعہ کے اختیار کرنے میں بڑی مصلحت ہے' اور ان چاروں کو بالکل نظر انداز کر دینے میں بڑا مفسدہ ہے۔ اس کے کئی وجوہ واسباب ہیں' ایک یہ کہ اُمت کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ شریعت کے معلوم کرنے کے بارے میں وہ سلف متقدمین پر اعتماد کرے' تابعین نے اس بارے میں صحابہؓ پر اعتماد کیا اور تبع تابعین نے تابعین پر وعلیٰ ہٰذا القیاس' ہر دور کے علماء نے اپنے پیشروؤں پر اعتماد کیا۔ عقل سے بھی اس کا مستحسن ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے کہ شریعت کے علم کا ذریعہ نقل اور استنباط ہے' اور نقل جب ہی ممکن ہے جب ہر طبقہ اپنے اس پہلے طبقہ سے جو اس سے متصل ہے اخذ کرے۔ استنباط میں بھی یہ ضروری ہے کہ متقدمین کے مذاہب معلوم ہوں تاکہ اُن کے دائرہ سے خارج ہو کر اجماع کے خلاف نہ ہو' اس لیے ان اقوال کے جاننے اور سابقین سے مدد لینے کی ضرورت ہے۔ دوسرے علوم وفنون اور ہنروں اور پیشوں کا بھی یہی حال ہے۔ صَرف' نحو' طب' شاعری' لوہاری' نجاری' رنگ ریزی' سب ہنر اور پیشے (professions) میں مہارت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب ان کے استادوں اور ان کے ساتھ اشتغال رکھنے والوں کی صحبت اختیار کی جائے۔ اس کے بغیر مہارت حاصل ہو جائے ایسا بہت کم پیش آتا ہے' اگرچہ عقلاً ایسا ممکن ہے لیکن واقعتاً ایسا ہوتا نہیں۔'' (۱۳)

جب یہ بات متعین ہو گئی کہ سلف کے اقوال وتحقیقات پر اعتماد ضروری ہے تو پھر یہ ضروری ہو گیا کہ جن

اقوال پر اعتماد کیا جا رہا ہے وہ سند صحیح سے مروی مشہور کتابوں میں مدوّن ہوں اور ان پر ایسا کام ہوا ہو کہ اس میں راجح و مرجوح اور عام و خواص کا امتیاز آسان ہو، جہاں اطلاق پایا جاتا ہے وہاں یہ پتا چل سکے کہ اس میں مقید کیا ہے؟ مختلف اقوال میں تطبیق دی جا چکی ہو اور احکام کے علل پر روشنی ڈالی جا چکی ہو، نہیں تو ایسے مذاہب و اجتہادات پر اعتماد صحیح نہیں ہوگا۔ ان پچھلے ادوار میں کوئی مذہب (فقہی) بھی ایسا نہیں ہے جس میں یہ صفات پائی جاتی ہوں اور یہ شرطیں پوری ہوتی ہوں سوائے ان مذاہب اربعہ کے۔

اسی طرح حجۃ اللہ البالغہ میں بھی ان مذاہب اربعہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''چاروں مذاہب (four schools of thought) جو مدوّن ہو چکے ہیں اور احاطہ تحریر میں آ چکے ہیں، اس پر اُمّت کا اجماع ہو چکا ہے یا معتد بہ لوگوں کا اجماع ہو چکا ہے کہ ان کی تقلید جائز ہے اور اس میں بہت سی مصلحتیں ہیں جو مخفی نہیں، خصوصاً اس زمانہ میں کہ جس میں لوگوں کی ہمتیں بہت ہی پست ہو گئیں اور خواہشاتِ نفسانی کا غلبہ ہو گیا اور ہر آدمی اپنی رائے پر ناز کرنے لگا۔''(۱۴)

(۵) شاہ صاحب حنفی تھے یا اہلِ حدیث؟

فرقہ پرستی اور مسالک میں تعمق کی وجہ سے لوگ ہر شخص کو، چاہے اس کا علمی پایہ کتنا ہی بلند ہو، کسی نہ کسی فرقہ کی طرف منسوب کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یہی بحث شاہ ولی اللہؒ کے متعلق بھی چھیڑ دی گئی کہ وہ حنفی تھے یا اہل حدیث؟ بالفاظ دیگر وہ مقلّد تھے یا غیر مقلّد؟ لیکن جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے صحیح فہم دین عطا فرمایا ہے ان کے حق میں اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ شاہ صاحب کا مقامِ عالی اور ایک عالم ربانی اور مجدد ہونے کی حیثیت سے آپ کی بلند پایہ شخصیت اس سے بالاتر ہے کہ اُن کو اس بحث کا موضوع بنا کر ان کی تصنیفات (اور عظیم علمی کام) کی اصلی قدر و قیمت کو گھٹا دیا جائے(۱۵) اور بقول مولانا محمد منظور نعمانیؒ:

''ملّت کی یہ انتہائی بدقسمتی ہے کہ شاہ صاحبؒ کی وہ ذات جس کا صحیح عادلانہ فیصلہ مقلدین اور غیر مقلدین دونوں کو ایک معتدل مسلک پر جمع کر سکتا تھا اور ان کی باہمی منافرت اور کشمکش اور بے جا عصبیت کو مٹا کر دونوں کو ایک دوسرے کے قریب لا سکتا تھا، انہی کو بحیثیت ایک فریق اس بحث میں دھر لیا ہے۔ ایک طرف کوشش شروع ہوئی کہ ان کو عہد حاضر کی عرف اور اصطلاح کے مطابق ٹھیٹھ غیر مقلد ثابت کیا جائے، دوسری طرف آپ کو عرفی قسم کا پکّا حنفی اور مروّجہ تقلید کا حامی ثابت کرنے کے لیے زور لگایا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ صاحب کی تصنیفات کا جو اصل مقصد تھا وہ بالکلیہ فوت ہو گیا۔''(۱۶)

(۶) تحقیقی قول پر عمل کرنے کے متعلق شاہ صاحب کی وصیت

شاہ صاحبؒ نے اس دُنیا سے انتقال کرنے سے تھوڑی دیر پہلے جو وصیت اپنے اعزہ و اقارب اور اپنے متوسّلین اور عقیدت مندوں کو کی، وہ یہ ہے:

''اس عاجز کی پہلی وصیت یہ ہے کہ عقائد و اعمال دونوں میں کتاب و سنّت کی سخت پابندی کی جائے۔ قرآن اور حدیث کے معانی کو سمجھنے کے لیے ہمیشہ غور اور تدبّر سے کام لیں اور برابر اس میں مشغول رہیں۔ اگر عربی نہ جاننے کی وجہ سے آدمی خود پر ایک عقیدہ اور عمل کو قرآن اور حدیث سے اخذ کرنے کی

استعداد نہ رکھتا ہو تو اس کو چاہیے کہ روزمرہ کم از کم ایک دو ورق قرآن اور ایک دو ورق حدیثِ رسولؐ کا ترجمہ کسی عالم سے سن لیا کرے۔ عقائد میں قدماء اہلِ سنت (سلف صالحین، صحابہ اور تابعین) کا مسلک اختیار کیا جائے۔ سلف صالحین نے جس بات کے متعلق کریدنا (کاوش کرنا) مناسب نہیں سمجھا اس سے تم بھی روگردانی کرو اور معقولیانِ خام کے شبہات اور تشکیکات پر مطلق توجہ نہ کی جائے۔ فقہ کے فروعی مسائل میں ان علماء محدثین کی پیروی کی جائے جو فقہ اور حدیث کے جامع ہوں، چنانچہ ہمیشہ یہ اصول رکھنا چاہیے کہ جس مسئلہ فقہ میں تحقیق کرنا مقصود ہو، اس کو قرآن اور حدیث کی کسوٹی پر پرکھا جائے، جو اس کے موافق نظر آئے اس کو قبول کریں اور جو بات کتاب وسنت کے مطابق نہ ہو اس کو قائل کے منہ پر دے ماریں۔ یاد رکھو کہ اُمت مسلمہ کبھی اس سے بے نیاز نہیں ہوسکتی کہ جو مسئلہ بھی پیش آئے اور وہ کسی امام یا فقیہہ کا اجتہاد ہو، اس کو کتاب وسنت پر پیش کیا جائے (اُن کی صحت وسقم کو جانچنے کا معیار یہی ہے)۔ ان جامد طبع اور کور بصیرت فقہاء کی وہ بات ہرگز نہ سنو جس کی سند کسی عالم کی تقلید ہو، اس لیے انہوں نے سنت یعنی آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا اتباع کرنا چھوڑ دیا ہو۔ اُن کی باتوں پر ہرگز التفات نہ کیا جائے۔ اللہ کی خوشنودی اور اس کا قرب اُن لوگوں سے دُور رہنے میں ہے۔'' (۱۷)

شاہ صاحبؒ شیخ عزالدین بن عبدالسلامؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ انہوں نے تقلید کے بارے میں فرمایا:

''یہ انتہائی عجیب بات ہے کہ فقہائے مقلدین میں سے بعض لوگ اپنے امام کے ماخذ کے ضعیف ہونے سے واقف ہوتے ہیں اور اس کا دفاع نہیں پاتے مگر پھر بھی وہ اس مسئلہ میں امام کی تقلید کرتے ہیں، کتاب وسُنّت اور قیاساتِ صحیحہ جس مذہب کی صداقت کی شہادت دیتے ہیں محض اپنے امام کی تقلید جامد کے باعث اسے چھوڑ دیتے ہیں، بلکہ کتاب وسنت کے ظاہر کو چھوڑنے کے لیے دور کی اور باطل تاویلات کرتے ہیں۔'' (۱۸)

(۷) اختلافی مسائل میں صحابہؓ، تابعینؒ اور ائمہ کا طرزِ عمل

دورِ صحابہؓ اور تابعینؒ میں کئی مسائل میں باہمی اختلاف تھا، لیکن وہ اختلاف علمی اختلاف تک محدود رہا، کبھی افتراق اور تکفیر وتفسیق کا سبب نہیں بنا۔ مثلاً صحابہ اور تابعین کے عہد میں بعض سورۂ فاتحہ کے آغاز میں بسم اللہ پڑھتے تھے اور بعض نہیں پڑھتے تھے۔ فجر کی نماز میں بعض کا معمول قنوت پڑھنا تھا اور بعض نہ پڑھنے کو اس پر ترجیح دیتے تھے۔ بعض خون بہہ نکلنے کے بعد وضو کرتے تھے اور بعض نہیں کرتے تھے۔ بعض آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کرتے تھے اور بعض وضو نہیں کرتے تھے۔ اونٹ کا گوشت کھالینے کے بعد بعض وضو کرتے اور بعض نہ کرتے۔ ان تمام اختلافات کے باوجود وہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے سے احتراز نہیں کرتے تھے۔ (۱۹)

اسی طرح امام ابوحنیفہؒ اور ان کے عظیم شاگرد امام محمدؒ وغیرہ اور امام شافعیؒ اور دوسرے ائمہ مدینہ منورہ میں امام مالکؒ کی اقتدا کرنے میں تامل نہیں کرتے تھے، اگرچہ مالکیہ سرّاً وجہراً سرے سے بسم اللہ پڑھتے ہی نہیں تھے۔ ہارون الرشید نے ایک مرتبہ سینگی لگوا لینے کے بعد وضو کیے بغیر نماز پڑھائی تو امام ابو یوسفؒ نے اس کے پیچھے نماز پڑھی اور اس کا اعادہ بھی نہیں کیا۔ خلیفہ مذکور کو امام مالکؒ نے فتویٰ دیا تھا کہ سینگی لگوا لینے کے بعد وضو کرنا لازم نہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ کا یہ قول تھا کہ نکسیر پھوٹنے اور سینگی لگوا لینے کے بعد وضو کر لینا چاہیے۔ کسی نے ان سے

پوچھا کہ جس کا خون بہہ نکلا اور وہ وضو کیے بغیر امامت کرے تو کیا آپ اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے؟ آپؒ نے فرمایا کہ ''اس کے تو معنی ہوئے کہ میں امام مالکؒ اور سعید بن المسیبؒ کے پیچھے نماز پڑھوں (کیونکہ وہ نکسیر کے بعد وضو کے قائل نہیں)''۔(۲۰)

ایک مرتبہ امام شافعیؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے مزار کے قریب فجر کی نماز پڑھی تو ازراہِ ادب امام ابوحنیفہ کا پاس ملحوظ رکھ کر قنوت کو ترک کر دیا اور بغیر قنوت کے نماز پڑھ لی۔ یہ بھی امام شافعیؒ ہی کا قول ہے کہ بعض اوقات ہم اہلِ عراق کے مذہب پر عمل کر لیا کرتے ہیں۔(۲۱)

فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ ایک مرتبہ امام ابو یوسفؒ نے حمام میں غسل کر کے جمعہ کی نماز پڑھائی۔ جب وہ نماز پڑھ چکے اور سب لوگ منتشر ہو گئے تو اُن سے کہا گیا کہ حمام کے کنوئیں میں ایک مردہ چوہیا پائی گئی' اس پانی سے آپ نے غسل کیا اور نماز پڑھائی۔ آپ نے فرمایا: کیا مضائقہ ہے' ہم اہلِ مدینہ بھائیوں کے مذہب (فقہی) پر عمل کریں گے' جس کی سند یہ حدیث ہے کہ جب دو بڑے مٹکے پانی کے ہوں تو اس پر نجاست اثر نہیں کرتی۔(۲۲)

یہ وہ توسّع اور وسعت ہے جو اسلامی اصولوں کی روشنی میں مختلف فقہی مذاہب پر عمل کرنے میں ہے۔ اسی سلسلے میں حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

> ''انہیں فقہ کے مذاہبِ اربعہ کو حضور ﷺ نے یکساں تصور کرنے کی ہدایت کی' کیونکہ فقہ کے تمام قوانین کی اصل بنیاد تو عنایتِ الٰہی ہے' اس کے بعد جیسے جیسے زمانہ بدلتا گیا اس کے مطابق اس اصل سے نئی نئی شاخیں اور الگ الگ صورتیں بنتی جاتی ہیں۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کی روح کے جوہر میں ان تمام فقہی فروعات کا بنیادی علم موجود ہے اس لیے آپ کی نظر میں ان میں سے ایک کو دوسرے پر کوئی امتیاز نہ ہو۔''(۲۳)

آگے شاہ صاحب لکھتے ہیں:

> ''بات دراصل یہ ہے کہ فقہ کے مذاہب گو ایک دوسرے سے مختلف ہیں' لیکن جہاں تک فقہ کے ضمن میں دین اسلام کے ضروری اصول و مبادی کا تعلق ہے وہ مذاہب فقہ میں سے ہر مذہب میں موجود ہیں۔''(۲۴)

شاہ صاحب کی مندرجہ بالا تحقیق کے مطابق جب چاروں فقہی مذاہب برحق ہیں تو پھر فقہی فروعی مسائل میں وسعتِ نظری کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور ان فروعی مسائل کی بنیاد پر ایک دوسرے کی تفسیق و تکفیر سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے' کیونکہ جب مجتہدین اور فقہاء کے باہمی اختلافاتِ علمی میں کوئی جانب منکر نہیں ہوتی تو پھر غیر منکر پر نکیر خود منکر ہے۔ اور بقول مولانا مفتی محمد شفیعؒ:

> ''اجتہادی و فروعی اختلافات کے ساتھ جو معاملہ آج کل کیا جا رہا ہے کہ اسی بحث و مباحثہ کو دین کی بنیاد بنا لی گئی ہے اور اس پر باہمی جنگ و جدال اور سب و شتم تک نوبت پہنچا دی گئی ہے' یہ طرزِ عمل بلاشبہ وَلَا تَفَرَّقُوْا (یعنی تفرقہ میں مت پڑو) کی کھلی مخالفت اور صحابہؓ اور تابعین کی سنت کے بالکل خلاف ہے۔ اَسلافِ اُمت میں کبھی کہیں نہیں سنا گیا کہ اجتہادی اختلافات کی بنا پر اپنے سے مختلف نظریہ رکھنے والوں پر اس طرح نکیر کیا گیا ہو (جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے)' مثلاً امام شافعی اور دوسرے ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ جو نماز جماعت کے ساتھ امام کے پیچھے پڑھی جائے اس میں بھی مقتدیوں کو سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے اور ظاہر ہے کہ جو اس فرض کو ادا نہیں کرے گا' اس کی نماز ان کے نزدیک نہیں ہوگی۔ اس کے بالمقابل امام ابوحنیفہؒ

کے نزدیک مقتدی کو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا جائز نہیں اس لیے حنفیہ نہیں پڑھتے لیکن اُمت کی پوری تاریخ میں کسی سے نہیں سنا گیا کہ شافعی مذہب والے حنفیوں کو تارکِ نماز کہتے ہوں کہ تمہاری نمازیں نہیں ہوئیں اس لیے تم بے نمازی ہو یا ان پر اس طرح نکیر کرتے ہوں جیسے منکراتِ شرعیہ پر کی جاتی ہے۔'' (۲۵)

حوالہ جات

(۱) سید ابوالحسن علی ندویؒ' تاریخ دعوت وعزیمت' مجلس نشریات اسلام' کراچی' ج ۵' ص ۱۹۷۔۱۹۸۔

(۲) شاہ ولی اللہؒ' فیوض الحرمین' بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت' ج ۵' ص ۱۹۸۔

(۳) تاریخ دعوت وعزیمت' ص ۱۹۹۔

(۴) شاہ ولی اللہ' الجزء اللطیف فی ترجمة العبد الضعیف' ص ۲۰۳۔۲۰۴' بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت' ج ۵' ص ۲۰۱۔

(۵) شاہ ولی اللہ' حجۃ اللہ البالغہ' شیخ غلام علی اینڈ سنز' لاہور' ج ۱' ص ۳۸۱۔

(۶) حجۃ اللہ البالغہ' ترجمہ: مولانا منظور الوجیدی'' شیخ غلام علی اینڈ سنز' لاہور' ج ۱' ص ۳۸۱۔

(۷) شاہ ولی اللہ' وصیت نامہ فارسی' ص ۲۔۳' بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت' ج ۵' ص ۲۰۲۔

(۸) شاہ ولی اللہ' حجۃ اللہ البالغہ' ص ۴۸۱۔۴۸۶۔ (ترجمہ: مولانا عبدالرحیم)

(۹) سید ابوالحسن علی ندوی' تاریخ دعوت وعزیمت' ج ۵' ص ۲۰۴۔۲۰۵۔

(۱۰) شاہ ولی اللہ' حجۃ اللہ البالغہ (ترجمہ: مولانا محمد منظور الوجیدی)' شیخ غلام علی اینڈ سنز' لاہور' ج ۱' ص ۳۷۳۔۳۸۰۔

(۱۱) حجۃ اللہ البالغہ' ص ۳۷۶۔۳۷۸۔

(۱۲) ایضاً۔

(۱۳) شاہ ولی اللہ' عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید' ص ۳۶۔۳۸۔

(۱۴) شاہ ولی اللہ' حجۃ اللہ البالغہ' ص ۳۷۶۔

(۱۵) مولانا عبدالرحیم' مختصر سوانح شاہ ولی اللہؒ' حجۃ اللہ البالغہ' ص ۱۶ (ترجمہ مولانا عبدالرحیم)۔

(۱۶) ایضاً۔

(۱۷) ایضاً' ص ۱۷۔

(۱۸) شاہ ولی اللہ' حجۃ اللہ البالغہ' ج ۱' ص ۳۷۸ (ترجمہ مولانا منظور الوجیدی)

(۱۹) ایضاً' ج ۱' ص ۵۱۶۔۵۱۷ (ترجمہ مولانا عبدالرحیم)

(۲۰) ایضاً' ص ۵۱۷۔

(۲۱) ایضاً۔

(۲۲) ایضاً۔

(۲۳) قاضی جاوید' افکار شاہ ولی اللہ' ص ۱۷۳۔

(۲۴) محمد سرور' ارمغان شاہ ولی اللہ (ادارہ ثقافت اسلامیہ' لاہور) ص ۱۷۸۔

(۲۵) مولانا مفتی محمد شفیعؒ' معارف القرآن (فرید بک ڈپو' دہلی)' ج ۲' ص ۱۴۴۔ اور اختلافِ فقہاء وغیرہ پر اعتدال کے لیے دیکھیے: مفتی محمد شفیعؒ کی کتاب ''وحدت اُمت'' (مرکزی انجمن خدام القرآن' لاہور)